# خطباتِ جمعہ کے متعلق جماعت احمدیہ کی پالیسی

(فرمودہ ۲۰ راگست ۱۹۳۷ء)

تشہّد ،تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

میں نے پچھلے جمعہ میں یہ اعلان کیا تھا کہ خان صاحب مولوی فرزند علی صاحب نے مجھے آکر مجسٹریٹ صاحب علاقہ کا یہ پیغام دیا تھا کہ جمعہ کا خطبہ بھی دفعہ ۱۴۴ کے ماتحت آتا ہے۔لیکن یہ کہ وہ خطبہ پڑھنے کی اجازت دے دیتے ہیں بشرطیکہ کوئی بات اس میں اس قسم کی نہ آئے جو موجودہ واقعات کے متعلق ہو اور جس سے کسی قسم کی شورش پیدا ہونے کا خطرہ ہو۔ میں نے اس پر یہ بیان کیا تھا کہ یہ کہنا کہ جمعہ کا خطبہ بھی دفعہ ۱۴۴ کے ماتحت آتا ہے، چاہے اس کے بعد مجسٹریٹ صاحب یہ کہہ دیں کہ میں خطبہ کے پڑھنے کی اجازت دیتا ہوں ، مذہب میں دست اندازی ہے اور یہ کہ جب تک گورنمنٹ کے ساتھ کوئی فیصلہ نہ ہو جائے مَیں مجسٹریٹ صاحب کی اجازت کے ماتحت خطبہ پڑھنے کیلئے تیار نہیں ہوں بلکہ دفعہ ۱۴۴ کے نفاذ تک قانون کا احترام کرتے ہوئے صرف عربی کلمات پر ہی کفایت کروں گا۔لیکن اُسی دن خان صاحب سے مجسٹریٹ صاحب علاقہ کی جب دوبارہ گفتگو ہوئی تو انہوں نے خانصاحب سے ذکر کیا کہ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے اور یہ کہ میرا اس سے وہ منشاء نہ تھا جو آپ نے سمجھا۔ چنانچہ بعد میں ان کی طرف سے ایک تحریر بھی آئی جس میں انہوں نے لکھا کہ میرا وہ منشاء نہ تھا جو آپ لوگوں نے سمجھا بلکہ میرا منشاء صرف اتنا تھا کہ خطبہ میں کوئی ایسی بات نہ ہو جو موجودہ شورش کو زندہ رکھنے والی ہو۔

پس چونکہ انہوں نے خود اس کی ایک ایسی تشریح کی ہے جو ان معنوں کو بالکل بدل دیتی ہے

جن پر مجھے اعتراض تھا، اس لئے میں نے اس وجہ کو تسلیم کرتے ہوئے آج ارادہ کیا ہے کہ میں اپنا خطبہ حسبِ سابق بیان کروں۔

خطبات کے متعلق ہماری جماعت کی پالیسی ہمیشہ غیر مُبہم رہی ہے۔ جب کانگرس کا شور تھا یا ہجرت کا شور تھا یا بعض اور شور گورنمنٹ کے خلاف بپا تھے اُس وقت بعض لوگ مساجد کو اِس رنگ میں استعمال کیا کرتے تھے کہ وہ خطبات میں گورنمنٹ کے خلاف وہ کچھ کہہ جاتے جو دوسرے موقعوں پر کہنے سے ڈرتے تھے۔ اُس وقت میری طرف سے بھی اور ہماری جماعت کی طرف سے بھی گورنمنٹ کی حمایت کی جاتی اور کہا جاتا تھا کہ خطبات کو پولیٹکل تقریروں کا ذریعہ بنالینا درست نہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مُسلم کی زندگی ساری کی ساری مذہبی ہوتی ہے اور اسلام سیاسیات کا بھی جامع ہے اور اقتصادیات کا بھی جامع ہے، معاملات کا بھی جامع ہے اور مدنیت[1] کا بھی جامع ہے، اخلاقیات کا بھی جامع ہے اور فلسفہ کا بھی جامع ہے، عقلیات کا بھی جامع ہے اور مذہب کا بھی جامع ہے۔ غرض ہر چیز اس میں پائی جاتی ہے اور عام حالات میں خطبات میں سیاسی باتیں بیان کرنا مناسب نہیں ہیں۔ لیکن اس میں بھی شبہ نہیں کہ ایک منظّم حکومت کے ماتحت رہتے ہوئے خطبات کو ذریعہ بنالینا فساد اور جھگڑے کا، یہ بھی درست نہیں۔ یہ وہ باتیں جو ہم پہلے کہا کرتے تھے اور یہ وہ باتیں ہیں جو آج بدل نہیں گئیں۔ پس جن حالات میں ہم لوگوں پر اعتراض کیا کرتے تھے اگر انہی حالات میں ہم بھی وہی حرکت کریں تو یقیناً ہم مجرم قرار پائیں گے۔ پس اگر کسی مصلحت کے ماتحت کسی ایسے مسئلہ میں جو خالص مذہبی نہ ہو حکومت کا کوئی افسر قانون کے ماتحت اور اپنے جائز اختیارات کو استعمال کرتے ہوئے خطیب کو یہ ہدایت دے دے کہ وہ فلاں مضمون کے متعلق کچھ بیان نہ کرے تو یقیناً ہم اسے حق پر سمجھیں گے۔ لیکن خطبہ کو بحیثیت خطبہ اگر کوئی افسر قانون کے تابع کرنا چاہتا ہے تو ہم اس کی بات کو ماننے کیلئے ہرگز تیار نہیں کیونکہ یہ مذہبی دست اندازی ہوگی۔ اسی طرح اگر خطبات کو بالکل آزاد کر دیا جائے یا مذہبی عبادت گاہوں میں ہر قسم کی تقریروں کی آزادی دے دی جائے تو یقیناً مذہبی عبادت گاہیں جھگڑے اور فساد کا مرکز بن جائیں گی حالانکہ وہ جھگڑے اور فساد کا نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی یاد کا مرکز ہوتی ہیں۔ یہ وہ اصل ہے جسے ہم ہمیشہ پیش کرتے رہے ہیں اور اب بھی ہم اسے بُھولے ہوئے نہیں۔ اور یہ نہیں ہوسکتا کہ جب دوسروں کا معاملہ ہو تو ہم اس پر اعتراض کریں لیکن جب اپنا معاملہ آجائے تو قابلِ اعتراض بات کو جائز قرار دے لیں۔ پس اگر حکومت بعض

مصالح کے ماتحت کسی ایسے مسئلہ کو جو خالص مذہبی نہ ہو کسی وقت خطبات سے الگ کر دے اور ہدایت کر دے کہ خطبہ میں اس کا ذکر نہ آئے تو یہ اُس کا ایک جائز حق ہوگا۔ لیکن اگر وہ یہ کہے کہ خطبہ ہی قانون کی زد میں آتا ہے تو ایسی حکومت نہایت ہی بیوقوف ہوگی جو جُرم کو اُس کی معیّن حد تک روکنے کی بجائے مذہب میں دست اندازی شروع کر دے۔ مگر جیسا کہ میں نے بتایا ہے مجسٹریٹ صاحب علاقہ نے اپنی بات کی تشریح کی ہے اور کہا ہے کہ اس سے ان کا مطلب صرف یہ تھا کہ خطبہ میں کوئی ایسی بات نہ ہو جس سے طبائع میں اشتعال پیدا ہو۔ گو ہمارے نقطۂ نگاہ سے ان کی یہ بات بھی غلط ہے کیونکہ ہم خدا تعالیٰ کے فضل سے کبھی اشتعال پیدا نہیں کرتے۔ یہ ہمارے دشمنوں کی پھیلائی ہوئی باتیں ہیں کہ ہم لوگوں کو اشتعال دلاتے ہیں لیکن بہرحال اگر ایک افسر ہمیں ایسی ہدایت دیتا ہے تو ہم اس ہدایت کو اس کے دائرہ اختیار کے اندر سمجھیں گے گو ہم یہ ضرور کہیں گے کہ اسے ہماری طبیعت کا علم نہیں۔ اسے باوجود اِس علاقہ میں رہنے کے ہمارے حالات، ہمارے اعمال اور ہمارے عقائد سے کوئی واقفیت نہیں۔ اس نے ہمارے متعلق دشمنوں کی بعض باتوں کو سُنا اور ان پر یقین کر لیا مگر ہم اُس کی ہدایت کو غیر قانونی نہیں کہہ سکتے اور حکومت کا یہ حق ہے کہ اگر کوئی بات فساد اور شرانگیزی کا موجب ہو تو چاہے وہ بات خطبہ میں ہی بیان کی جانے والی ہو اس حصہ کے متعلق حکم دے دے کہ وہ بات خطبہ میں بیان نہ کی جائے۔

اس کے بعد میں آج کے خطبہ کا مضمون لیتا ہوں۔ چار پانچ دن کی بات ہے میں نے لاہور کا ایک اخبار جس کا نام ''احسان'' ہے پڑھا اور اتفاقی طور پر اُس کے ایک نوٹ پر میری نظر جا پڑی یا شاید دفتر نے اُس نوٹ پر نشان لگا کر میرے پاس بھجوایا تھا اس معاملہ کے متعلق میرا ذہن پورے طور پر صاف نہیں بہرحال ''احسان'' کا جو نوٹ تھا اُس میں یہ لکھا تھا کہ لائل پور کے کسی احمدی نے کہا ہے کہ ہم خدا کے بعد مرزا محمود کو ہی سمجھتے ہیں۔ اس نے یہ فقرہ درج کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ہم پہلے بھی مرزا محمود احمد کو اس طرف توجہ دلا چکے ہیں (گو میری نظر سے اس کا اس سے پہلے کوئی نوٹ نہیں گزرا)۔ مگر انہوں نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا اور غالباً ساتھ ہی اس نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ اس بات کا کوئی جواب نہیں دیں گے کیونکہ ان کا عقیدہ یہی ہے اور باوجود اس عقیدہ کے یہ لوگ جھوٹے طور پر رسول کریم ﷺ کی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ میں جیسا کہ بیان کر چکا ہوں ''احسان'' کا پہلا نوٹ میری نظر سے نہیں گزرا اور کسی اخبار کا خواہ وہ کتنی ہی وسیع اشاعت رکھتا ہو یہ سمجھ لینا کہ جس کے متعلق اس میں کوئی نوٹ لکھا گیا ہے اس

نے اس نوٹ کو ضرور پڑھ لیا ہوگا سخت غلطی ہے۔ ہمارے ہندوستانی اخبارات کی توسیع اشاعت ہوا ہی نہیں کرتی مستقل خریدار سات آٹھ سَو یا ہزار ہوتے ہیں اور ہنگامی طور پر بعض دفعہ دو اڑھائی ہزار تک ان کی اشاعت ہو جاتی ہے۔ شاذ و نادر کے طور پر بعض ہندوستانی اخبارات ایسے ہوئے ہیں جن کی خریداری پانچ سات ہزار تک پہنچی ہے۔ مگر یہ خریداری بھی عارضی ثابت ہوئی ہے اور پھر خریداری گھٹ کر ہزار دو ہزار تک پہنچ گئی ہے۔ لیکن اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ ایک اخبار کی اشاعت ہزار دو ہزار نہیں، پانچ ہزار ہے یا دس ہزار ہے یا بیس ہزار ہے یا پچاس ہزار بلکہ لاکھ دو لاکھ حتیٰ کہ دس لاکھ بھی ہے پھر بھی اُس اخبار کا یہ فرض کر لینا کہ جس کے متعلق کوئی نوٹ لکھا گیا ہے وہ ضرور اُس تک پہنچ گیا ہوگا اور اُس نے پڑھ لیا ہوگا، عقل سے بعید بات ہے اور دیانتداری کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ ایسے موقع پر متعلقہ شذرہ پر نشان لگا کر اُس شخص کو بھجوا دیا جائے جس سے اس کے جواب کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ پس جب کوئی شخص کسی سے جواب کا مطالبہ کرتا ہے تو اس کا فرض ہونا چاہئے کہ وہ اس مضمون یا نوٹ پر نشان لگا کر بھیج دے اس کے بغیر یہ امید کر لینی کہ میرا پرچہ پہنچ گیا ہوگا اور پھر نوٹ بھی پڑھ لیا گیا ہوگا، بالکل خلافِ عقل بات ہے۔

میں اپنے اخبارات کو بھی اس موقع پر یہ ہدایت دیتا ہوں کہ جب وہ اپنے مضمون میں کسی سے جواب کا مطالبہ کریں تو وہ اس اخبار پر نشان لگا کر اس شخص کو بھجوا دیا کریں جس سے جواب کا مطالبہ کیا گیا ہو۔ بلکہ زیادہ بہتر یہ ہے کہ وہ اخبار رجسٹری کر کے بھجوایا کریں تا کُلّی طور پر یہ اطمینان ہو جائے کہ پرچہ اسے پہنچ گیا ہوگا اور اگر ہمارے اخبار بھی کسی کے متعلق نوٹ تو لکھیں لیکن پرچے پر نشان لگا کر اور رجسٹری کرا کر اُسے نہ بھیجیں اور پھر کہیں کہ اس نے جواب نہیں دیا تو میں سمجھوں گا کہ وہ حق پر نہیں۔ کیونکہ یہ امید کرنی کہ ہر مخالف ''الفضل'' کا ایک ایک حرف پڑھتا ہے بالکل خلافِ عقل بات ہے۔ اسی طرح مَیں دوسروں سے بھی کہتا ہوں کہ اگر وہ ہم میں سے کسی کے متعلق کوئی نوٹ لکھیں تو اُس اخبار کو رجسٹری کرا کے اُس شخص کے پاس بھیج دیا کریں۔ وہ اگر مناسب سمجھے گا تو جواب دے دے گا اور اگر نہیں سمجھے گا تو نہیں دے گا۔ بہر حال وہ یہ کہہ سکیں گے کہ ہم نے اپنا مضمون پہنچا دیا تھا۔ گو جیسا کہ میں نے بتایا ہے جواب دینے والا اِس بات پر مجبور نہیں ہوتا کہ ہر بات کا جواب دے کیونکہ بعض باتوں کا جواب خاموشی ہی ہوتا ہے۔ جیسے کہتے ہیں ''جوابِ جاہلاں خموشی باشد'' لیکن کم سے کم جب صحیح طریق پر سوال پہنچا دیا

جائے تو انسان اپنے فرض سے سبکدوش ہو جاتا ہے۔

''احسان'' کے اس نوٹ کا مطلب یہ ہے کہ اوّل تو اس لائلپوری دوست کے نزدیک اور پھر تمام احمدیوں کے نزدیک میری حیثیت (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ) رسول کریم ﷺ اور تمام انبیاء سے زیادہ ہے۔ اگر تو یہ نوٹ ''احسان'' نے ناواقفیت کی وجہ سے لکھا ہے تو میرا جواب یہ ہے کہ کسی ایک فقرہ کو سن کر بغیر اس کے کہ اس کے مَاسَبَق اور مَابَعْد کو دیکھا جائے یا اس ماحول کو دیکھا جائے جس میں وہ فقرہ کہا گیا ہے کوئی معنے کر لینا عقل کے بالکل خلاف ہوتا ہے۔ ''احسان'' کے نوٹ لکھنے والے کو چاہئے تھا کہ وہ یہ نوٹ لکھنے سے قبل ہماری تحریرات کو دیکھتا اور یہ معلوم کرتا کہ ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا درجہ دیتے ہیں اور اگر اس نے جانتے اور بوجھتے ہوئے یہ نوٹ لکھا ہے تو میرا جواب سوائے اس کے کیا ہو سکتا ہے کہ لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ۔

مذہبی امور میں اور خصوصاً ایک ایسے معاملہ میں جو تمام لوگوں کی جانوں اور ان کی زندگیوں سے قیمتی اور بہت زیادہ قیمتی ہے ایسے بے تحقیق اور غیر ذمہ دارانہ نوٹ لکھنے کسی شریف اخبار کا شیوہ نہیں ہو سکتا۔ میں نہیں جانتا کہ اس لائل پوری احمدی نے کیا کہا اور کیا نہیں کہا۔ کیونکہ ہمارے سامنے ان کا نام پیش نہیں کیا گیا۔ یا کم از کم اس شذرہ میں نہیں تھا جو میں نے پڑھا۔ اگر پہلے کے کسی نوٹ میں ان کا نام آیا ہو تو مجھے علم نہیں۔ پھر ساری تفصیلی گفتگو وہاں نہیں تھی جس سے ہم کوئی صحیح نتیجہ نکال سکیں مگر جس قدر باتوں کا وہاں ذکر تھا اس سے ایک نتیجہ ہم ضرور نکال سکتے ہیں۔ لیکن جیسا کہ میں آگے چل کر بتاؤں گا اس پر بھی وہ اعتراض عائد نہیں ہو سکتا جو ''احسان'' نے کیا ہے۔ یہ بالکل صاف بات ہے کہ خلیفہ نائب اور ماتحت ہوتا ہے اپنے متبوع کا۔ اور ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ جماعت احمدیہ کے خلفاء براہ راست حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلیفہ ہیں اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام روحانی خلیفہ ہیں آنحضرت ﷺ کے۔ اس لئے وہ بالواسطہ رسول کریم ﷺ کے بھی خلفاء ہیں تو جبکہ میرا دعویٰ یہ ہے کہ میں خلیفۃ المسیح ہوں اور جس کا مَیں خلیفہ ہوں اُس کا یہ دعویٰ ہے کہ میں غلامِ محمد ہوں تو اِن دو دعووں کے بعد کوئی احمدی یہ کس طرح خیال کر سکتا ہے کہ جماعت احمدیہ کا کوئی خلیفہ چاہے میں ہوں یا کوئی اور اتنا بلند درجہ رکھتا ہے کہ (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ) رسول کریم ﷺ سے بھی وہ بڑا ہے اور خدا کے بعد اگر کسی کا درجہ ہے تو اسی کا۔ اور کیا ان دو دعووں کی موجودگی میں کوئی بھی عقلمند اس خیال کو صحیح تسلیم کر سکتا ہے؟ کیا ایک ہی

منہ سے کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ میں فلاں کا نوکر ہوں اور یہ کہ میں اپنے آقا سے بڑا ہوں ۔ جب ایک شخص یہ کہتا ہو کہ میں فلاں کا نوکر ہوں تو اس پر اگر کوئی دوسرا یہ الزام لگائے کہ یہ اپنے آقا سے بڑا ہونے کا دعویٰ کرتا ہے تو اس الزام کو کون عقلمند تسلیم کر سکتا ہے ۔ اور یہ ہو کس طرح سکتا ہے کہ ایک طرف وہ کہے میں فلاں کا نوکر ہوں اور دوسری طرف کہے میں اس سے بڑا ہوں ۔ جب وہ نوکر ہے اور اس کا اقرار ہے کہ میں نوکر ہوں تو پھر چونکہ نوکر آقا سے بڑا نہیں ہو سکتا اس کا دعویٰ یہی تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ اپنے آپ کو آقا سے ادنیٰ سمجھتا ہے ۔ اسی طرح خلفاء کا کام یہ ہے کہ وہ اپنے آقا کا نام دنیا میں روشن کریں ۔ پس ان کا رُتبہ ظلی رُتبہ اور ان کی بڑائی ظلی بڑائی ہوتی ہے ۔

غرض ہماری تمام عزت یعنی خلفاء کی اور ہماری ہر ایک بڑائی اور ہماری ہر ایک خوبی اسی میں ہے کہ ہم اپنے آقا اور مطاع کا نام دنیا میں روشن کریں اور جتنی زیادہ ہم رسول کریم ﷺ کی خدمت کریں ، جتنا زیادہ ہم رسول کریم ﷺ کا نام دنیا میں روشن کریں اور جتنا زیادہ ہم رسول کریم ﷺ کا درجہ دنیا میں بلند کریں اُسی قدر زیادہ ہماری ذمہ داری پوری ہوتی ہے اور اسی میں ہماری عزت ہے ۔ پس جبکہ ہمارے رُتبہ کی بلندی کے معنے یہ ہوتے ہیں کہ ہم زیادہ سے زیادہ رسول کریم ﷺ کے تابع ہیں تو پھر اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ ہمیں (نَعُوْذُ بِاللّٰهِ ) رسول کریم ﷺ سے بھی بلند درجہ رکھنے کا دعویٰ ہے ، اس سے زیادہ غیر معقول بات اور کیا ہو سکتی ہے ۔ ہاں ایک صورت ہے اور اگر کسی احمدی نے کوئی بات کہی ہوگی تو یقیناً انہی معنوں میں کہی ہوگی ۔ یعنی اُس نے یہ کہا ہوگا کہ خدا تعالیٰ کے بعد اس زمانہ کے لوگوں میں سے خلیفۃ المسیح ہمارے نزدیک سب سے بڑے ہیں ۔ اور اگر کسی احمدی نے ان معنوں میں یہ فقرہ کہا ہے تو اس میں کیا شک ہے کہ اُس نے بالکل درست کہا ہے ۔ کیونکہ اپنے زمانہ میں جماعت کا امام یقیناً تمام دنیا سے بزرگ ہوتا ہے ۔ اس صورت میں الفاظ کو اِن معانی کا رنگ دے دینا جو کہنے والے کے منشاء کے سخت خلاف ہوں سخت ظالمانہ بات اور تقویٰ کے بالکل خلاف فعل ہے ۔ یہ الگ بات ہے کہ ہمارا اور غیر احمدیوں کا کئی مسائل میں اختلاف ہے ۔ یہ الگ بات ہے کہ ہمارا اور عیسائیوں کا کئی مسائل میں اختلاف ہے ۔ یہ الگ بات ہے کہ ہمارا اور یہودیوں کا کئی مسائل میں اختلاف ہے ۔ یہ الگ بات ہے کہ ہمارا اور ہندوؤں کا کئی مسائل میں اختلاف ہے ۔ مگر باوجود ان تمام اختلافات کے ایک چیز ہے جس کی سب سے اُمید کی جاتی ہے اور وہ یہ کہ ہم انصاف سے کام لیں ، سچ بولیں اور شریفانہ طور پر کلام

کریں۔ انصاف، سچائی اور شرافت یہ ورثہ مسلمان کا نہیں، یہ ورثہ ایک عیسائی کا نہیں، یہ ورثہ ایک یہودی اور ایک ہندو کا بھی نہیں بلکہ انصاف، صداقت اور شرافت کی امید ایک مسلمان سے بھی اُسی طرح کی جاتی ہے جس طرح ایک ہندو سے۔ اور انصاف، صداقت اور شرافت کی امید ایک عیسائی سے بھی اسی طرح کی جاتی ہے جس طرح ایک یہودی سے۔ خدا کے متعلق ان میں اختلاف ہو تو بیشک ہو۔ عبادت کے متعلق ان میں اختلاف ہو تو بیشک ہو، بعث بَعْدَ الْمَوْت کے متعلق ان میں اختلاف ہو تو بیشک ہو، فرشتوں کے متعلق ان میں اختلاف ہو تو بیشک ہو۔ غرض مذہب کی تمام جُزئیات میں اگر اختلاف ہو تو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ مذہب کے اختلاف کے معنے یہی ہیں کہ عقائد میں بھی اختلاف ہے۔ لیکن انصاف، شرافت اور سچائی کے متعلق ساری دنیا مُتحد الخیال ہے۔ ایک ہندو کے نزدیک بھی انصاف، شرافت اور سچائی اتنی ہی قیمتی ہونی چاہئیں جتنی ایک مسلمان کے نزدیک۔ اور ایک عیسائی کے نزدیک بھی انصاف، شرافت اور سچائی اتنی ہی قیمتی ہونی چاہئیں جتنی ایک یہودی کے نزدیک۔ اسی طرح ایک سِکھ کے نزدیک بھی انصاف، شرافت اور سچائی اتنی ہی قیمتی ہونی چاہئیں جتنی ایک جینی کے نزدیک۔ اور ایک جینی کے نزدیک بھی انصاف، شرافت اور سچائی اتنی ہی قیمتی ہونی چاہئیں جتنی ایک پارسی کے نزدیک۔ کیونکہ مذہبی اختلاف سے مذہب تو بدل جاتا ہے لیکن انسانیت نہیں بدلتی۔

پس یہ ایک ایسا خزانہ ہے جو مشترک ہے اور ہم میں سے ہر شخص کو یہ پابندی کرنی چاہئے کہ وہ اس میں سے اپنا اپنا حصہ لے۔ ایک بت پرست کہہ سکتا ہے کہ میں توحید کا قائل نہیں، توحید اگر خزانہ ہے تو مسلمانوں کا میرا نہیں۔ ایک قیامت کا منکر کہہ سکتا ہے کہ قیامت اگر خزانہ ہوگا تو ان کا جنہیں قیامت پر یقین ہے میرا اس میں حصہ نہیں کیونکہ میرے باپ دادا سے مجھے یہ خزانہ ورثہ میں نہیں ملا۔ ایک فرشتوں کا منکر کہہ سکتا ہے کہ تمہیں فرشتوں کا وجود مبارک ہو میرے باپ دادا نے فرشتوں کا وجود کبھی تسلیم نہیں کیا پس یہ اگر خزانہ ہے تو تمہارا ہے میرا نہیں۔ مگر کیا کوئی ہندو کہہ سکتا ہے کہ شرافت اور انصاف اور صداقت میں میرا کوئی حصہ نہیں کیونکہ یہ چیزیں مجھے اپنے باپ دادا سے نہیں ملیں۔ یا کیا ایک یہودی کہہ سکتا ہے کہ شرافت اور انصاف اور صداقت میں میرا کوئی حصہ نہیں کیونکہ یہ چیزیں مجھے اپنے باپ دادا سے نہیں ملیں۔ یا کیا کوئی عیسائی کہہ سکتا ہے کہ شرافت اور انصاف اور صداقت میں میرا کوئی حصہ نہیں کیونکہ یہ چیزیں مجھے اپنے باپ دادا سے نہیں ملیں۔ یا کیا ایک مسلمان کہہ سکتا ہے کہ شرافت اور انصاف اور صداقت

میں میرا کوئی حصہ نہیں کیونکہ یہ چیزیں مجھے اپنے باپ دادا سے بطور ورثہ نہیں ملیں۔ اگر ان میں سے کوئی شخص یہ بات نہیں کہہ سکتا تو انسان خواہ کسی مذہب سے تعلق رکھنے والا ہو اُس کا اولین فرض یہ ہونا چاہئے کہ وہ صداقت، شرافت اور انصاف کو نہ چھوڑے۔ وہ دشمنی کرے اور جتنی چاہے کرے مگر شرافت کے پہلو کو ترک نہ کرے۔ لڑائی کرے اور جتنی چاہے کرے مگر عداوت میں انصاف کے پہلو کو نہ بُھولے۔ وہ کچھ بھی بن جائے وہ انسان کا بچہ ہے، وہ کچھ بھی بن جائے وہ صادقوں کی اولاد میں سے ہے۔ پھر یہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ ایک اخبار کا ایڈیٹر جس کی ذمہ واری یہ سمجھی جاتی ہے کہ وہ دنیا میں اچھے اخلاق قائم کرے وہ شرافت، انصاف اور صداقت کو ترک کر کے ایک ایسا حملہ کرے جس میں ایک ذرہ بھی سچائی نہ پائی جاتی ہو۔ اور ہمارا تو یہ دعویٰ ہو کہ ہم رسول کریم ﷺ کے غلاموں کے بھی غلام ہیں اور وہ یہ کہیں کہ ہم اپنے آپ کو رسول کریم ﷺ سے بڑا سمجھتے ہیں، اس سے زیادہ جھوٹ اور اس سے زیادہ غلط بات اور کیا ہو سکتی ہے۔ ہاں یہ ایک سچائی ہے اور اِس کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہماری جماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ جماعت کا جو خلیفہ ہو وہ اپنے زمانہ میں جماعت کے تمام لوگوں سے افضل ہوتا ہے اور چونکہ ہماری جماعت ہمارے عقیدہ کی رو سے باقی تمام جماعتوں سے افضل ہے اس لئے ساری دنیا میں سے افضل جماعت میں سے ایک شخص جب سب سے افضل ہوگا تو موجودہ لوگوں کے لحاظ سے یقیناً اسے ''بعد از خدا بزرگ تُوئی'' کہہ سکتے ہیں۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں ہونگے کہ وہ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ رسول کریم ﷺ سے بھی بڑا ہے یا نَعُوْذُ بِاللّٰہِ درجہ میں رسول کریم ﷺ کے برابر ہے۔ کیونکہ ہماری تمام عزت، ہماری تمام بڑائی، ہماری تمام ترقی اور ہمارا تمام اعزاز رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں ؎

بعد از خدا بعشقِ محمدؐ مخمرم
گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم[۲]

یعنی اے مسلمانو! میری زندگی کا مَاحَصَل کیا ہے یہی کہ میں خدا تعالیٰ کے بعد رسول کریم ﷺ کی عزت دنیا میں قائم کرنا چاہتا ہوں مگر تم باوجود ان باتوں کو دیکھنے کے مجھے کافر کہتے ہو جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں میرے اندر کفر کی وجہ یہی نظر آئی ہے کہ میں خدا تعالیٰ کے بعد رسول کریم ﷺ کا درجہ لوگوں میں قائم کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن اگر میرا یہ فعل جُرم ہے تو پھر میں یقیناً مجرم ہوں۔ بلکہ اس سے بھی

بڑھ کر مجرم ہوں جتنا تم مجھے سمجھتے ہو۔ اور اگر کُفر اِسی کا نام ہے کہ خدا تعالیٰ کے بعد رسول کریم ﷺ کی محبت دل میں پائی جاتی ہو اور آپ کا عشق رگ و ریشہ میں سرایت کر چکا ہو تو پھر خدا کی قسم! میں اس سے بہت زیادہ کافر ہوں جتنا تم مجھے سمجھتے ہو۔ یہی عقیدہ ہمارا ہے بلکہ ہم میں سے ہر احمدی کا یہی عقیدہ ہے اور جو شخص اس عقیدہ سے ذرہ بھر بھی اِدھر اُدھر ہو جائے وہ احمدی نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ ہم یہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا قُرب اور اُس کا وصال محمد ﷺ کی کامل اطاعت میں ہے۔ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ [۳] پر ہمارا کامل یقین و ایمان ہے۔ یہ قرآن کی آیت ہے اور جو شخص قرآن کو مانتا ہو وہ اس آیت کے ماتحت لازمی طور پر یہ عقیدہ رکھے گا کہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کا اب ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ یہ کہ انسان رسول کریم ﷺ کی متابعت میں فنا ہو جائے۔

لطیفہ یہ ہے کہ یہ لوگ خود رسول کریم ﷺ کی عملاً ہتک کرتے ہیں مگر الزام ہم پر لگاتے ہیں کہ گویا ہم (نَعُوْذُ بِاللّٰهِ) رسول کریم ﷺ کی ہتک کرتے ہیں۔ گو عقیدۃً ہم ان کے متعلق بھی یہ نہیں سمجھتے کہ وہ رسول کریم ﷺ کی ہتک کرتے ہیں۔ کیونکہ کوئی شخص مسلمان کہلاتے ہوئے دانستہ رسول کریم ﷺ کی ہتک نہیں کر سکتا۔ مگر بعض دفعہ انسان غلطی سے نادانستہ طور پر ہتک کا مرتکب ہو جاتا ہے۔ یہی حال ان کا ہے۔ وہ بھی گو عقیدۃً رسول کریم ﷺ کی ہتک نہیں کرتے مگر عملاً آپ کی ہتک کرتے ہیں۔ چنانچہ ان کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اب تک آسمان پر زندہ موجود ہیں اور رسول کریم ﷺ فوت ہو کر زمین میں دفن ہو چکے ہیں۔ اب یہ صاف بات ہے کہ جو نبی آسمان پر اپنے جسدِ عنصری کے ساتھ زندہ موجود ہو اور دنیا کے فسادات کو مٹانے اور دین کی کمزوری کو دور کرنے کے لئے اُسی نے آخری زمانہ میں اُترنا ہو اور پھر نبی بھی وہ مستقل ہو یعنی رسول کریم ﷺ کی اطاعت اور پیروی سے اس نے مقامِ نبوت حاصل نہ کیا ہو اور نہ اُس کا کام رسول کریم ﷺ کی طرف منسوب ہو سکتا ہو وہ بہر حال اُس نبی سے بڑا ہو گا جو زمین میں دفن ہے۔ تو یہ لوگ عملاً رسول کریم ﷺ کی ہتک کرتے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آپؐ سے افضل قرار دیتے ہیں مگر ہم لوگ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت یہ یقین اور ایمان رکھتے ہیں کہ وہ رسول کریم ﷺ کے غلام ہیں اور آپ نے جو درجہ بھی حاصل کیا وہ رسول کریم ﷺ کی اطاعت اور غلامی سے حاصل کیا پس آپ رسول کریم ﷺ کے شاگرد ہیں۔ اور یہ بات ہر شخص جانتا ہے کہ شاگرد جو بھی کام کرتا ہے وہ اُس کے اُستاد اور آقا کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ

رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں اسلام کو جو فتوحات حاصل ہوئیں اس سے بہت زیادہ فتوحات تھیں جو حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں اسلام کو حاصل ہوئیں اور پھر حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اسلام کو جو فتوحات حاصل ہوئیں وہ اس سے بہت زیادہ تھیں جو حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں اسلام کو حاصل ہوئیں۔ مگر باوجود مُلک کے دائرہ کی وُسعت کے اور باوجود اُن افراد کی کثرت کے جن پر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے حکومت کی کیا کوئی احمق کہہ سکتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ رسول کریم ﷺ سے بڑے تھے پس باوجود اس کے کہ حضرت ابوبکرؓ کی حکومت اس سے بہت زیادہ علاقہ پر تھی جتنے علاقہ پر رسول کریم ﷺ کی حکومت تھی اور باوجود اس کے کہ حضرت ابوبکرؓ کو ان سے بہت زیادہ افراد پر حکومت حاصل تھی جتنے افراد پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکومت حاصل تھی۔ اسی طرح باوجود اس کے کہ حضرت عمرؓ کو اس سے بہت زیادہ علاقہ اور بہت زیادہ افراد پر حکومت حاصل تھی جتنے علاقہ یا جس قدر افراد پر رسول کریم ﷺ یا حضرت ابوبکرؓ نے حکومت کی۔ پھر بھی کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ رسول کریم ﷺ سے بڑے تھے۔ اسی لئے کہ ابوبکر، ابوبکرؓ کہاں سے بنتا اگر وہ رسول کریم ﷺ کا غلام نہ ہوتا اور عمر عمرؓ کہاں سے بنتا اگر وہ رسول کریم ﷺ کا غلام نہ ہوتا۔ بیشک حضرت ابوبکرؓ نے اسلام کیلئے ایک وسیع علاقہ فتح کیا اور پہلے سے زیادہ تعداد میں لوگوں پر حکومت کی مگر جو لوگ آپ کے تابع ہوئے وہ کِن فوجوں سے فتح ہوئے تھے؟ انہی فوجوں سے جو رسول کریم ﷺ نے تیار کی تھیں۔ اور بیشک حضرت عمرؓ نے اس سے بھی زیادہ علاقہ پر حکومت کی اور اس سے بھی زیادہ افراد حلقہ بگوشِ اسلام بنائے مگر سوال یہ ہے کہ کیا عمرؓ نے کوئی اپنی فوجیں تیار کر لی تھیں؟ حضرت عمرؓ نے وہی فوجیں لیں جو محمد ﷺ نے تیار کی تھیں اور اُسی سامان اور اُسی ایمان سے کام لیا جو سامان اور ایمان رسول کریم ﷺ نے تیار کیا تھا۔ وہی قربانی، وہی ایثار، وہی اخلاص اور وہی محبت کا جذبہ جو رسول کریم ﷺ نے لوگوں کے قلوب میں پیدا کیا تھا، اُسی کو حضرت عمرؓ نے لیا اور اُن چیزوں کو اکٹھا کر کے ان سے ایک عمارت تیار کی۔ پس وہ عمرؓ کی عمارت نہیں تھی، وہ رسول کریم ﷺ کی عمارت تھی اور جبکہ وہ سامان جن سے حضرت ابوبکرؓ نے بڑائی حاصل کی، رسول کریم ﷺ کے پیدا کئے ہوئے تھے اور جب کہ وہ سامان جن سے حضرت عمرؓ نے بڑائی حاصل کی، رسول کریم ﷺ کے پیدا کئے ہوئے تھے۔ تو گو ظاہری طور پر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے زیادہ علاقہ پر حکومت کی مگر وہ رسول کریم ﷺ سے بڑے نہیں تھے اور گو ظاہری طور پر ان کی رعایا کی

تعداد بھی زیادہ تھی مگر پھر بھی وہ رسول کریم ﷺ کی حکومت سے باہر نہیں جا سکتے تھے اور نہ آپؐ کی غلامی سے وہ ایک لمحہ کیلئے بھی الگ ہو سکتے تھے۔ کیونکہ یہ کام ان کا نہیں، محمد ﷺ کا کام تھا۔

آج لڑائیوں میں لوگ کثرت سے توپیں چلاتے ہیں مگر کیا تم اُس انجینئر کو زیادہ قابلِ اعزاز سمجھتے ہو جس نے آج سے سَو سال پہلے توپ ایجاد کی یا آجکل کے توپیں بنانے والوں کو زیادہ معزز سمجھتے ہو۔ اُس زمانہ میں بڑے سے بڑے گولے چھ پونڈ یا دس پونڈ کے ہوا کرتے تھے مگر آجکل کے کارخانے ان سے بہت بڑی بڑی توپیں بناتے ہیں۔ مگر باوجود اس تمام ترقی کے یہ کارخانے چلانے والے اُس انجینئر سے زیادہ معزز نہیں سمجھے جا سکتے جس نے توپ ایجاد کی کیونکہ اُس نے ایک نیا خیال پیدا کیا اور ایک نئی ایجاد کے راستہ پر لوگوں کو ڈال دیا جس پر دنیا آخر ترقی کرتی چلی گئی۔ اسی طرح ابتدائے اسلام میں وہ سپاہی جنہوں نے دنیا فتح کی وہ محمد ﷺ نے پیدا کئے تھے۔ وہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے پیدا نہیں کئے تھے۔ ہاں حضرت عمرؓ کے زمانہ میں چونکہ زیادہ علاقے فتح ہو چکے تھے اس لئے انہوں نے پہلے سپاہیوں کے رنگ میں اَور سپاہی بھی تیار کر لئے اور ان کی مدد سے کئی علاقے فتح کر لئے مگر بہرحال یہ تمام فتوحات عمرؓ کی نہیں بلکہ رسول کریم ﷺ کی تھیں۔ پس شاگرد دنیا میں جو کام بھی کرتے ہیں وہ ان کے آقا کی طرف منسوب ہوتا ہے اور وہ سخت احمق شاگرد ہوگا جو یہ کہے گا کہ اس کا کام اس کے آقا سے بڑا ہے یا اس کی بڑائی کے دعویٰ سے یہ مراد ہے کہ وہ اپنے آقا سے بھی درجہ میں بڑھ گیا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں بیرونِ ہند میں سوائے افغانستان کے اور کہیں تبلیغِ احمدیت نہیں تھی۔ عرب اور ایران میں اِکّے دُکّے احمدی تھے۔ مگر میرے زمانہ میں قریباً ساری دنیا اور سارے بَرِّ اعظموں میں احمدیت کی تبلیغ ہوئی ہے، یورپ کے مختلف علاقوں میں تبلیغ ہوئی ہے افریقہ کے مختلف علاقوں میں تبلیغ ہوئی ہے۔ اسی طرح چین، سماٹرا، جاوا اور امریکہ میں نئی جماعتیں قائم ہوئی ہیں اور پھر پہلے سے بہت زیادہ مصر، فلسطین اور شام کے حصوں میں احمدیت پھیل چکی ہے۔ مگر کیا اس کے یہ معنے لئے جائیں گے کہ (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ) میرا درجہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بڑا ہے؟ آخر وہ کیا چیز تھی جس سے میں نے یورپ کے لوگوں کو مسلمان بنایا اور کیا وہ میری چیز تھی؟ پھر وہ کیا چیز تھی جس سے میں نے امریکہ کے لوگوں کو مسلمان کیا اور کیا وہ چیز میری ایجاد کردہ تھی؟ پھر وہ کیا چیز تھی جس سے میں نے سماٹرا اور جاوا کے لوگوں کو مسلمان کیا اور انہیں رسول کریم ﷺ کی غلامی میں حقیقی

معنوں میں داخل کیا اور کیا وہ چیز میری تھی؟ وہ صداقت کی تلوار جس سے میں نے ان علاقوں کو فتح کیا وہ میری نہیں تھی بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تھی۔ پس یہ میرا کام نہیں بلکہ انہی کا کام ہے اور پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو تلوار چلائی وہ بھی آپؑ کی نہیں تھی بلکہ قرآن اور حدیث اور محمد ﷺ کی تھی۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی جو کچھ کیا وہ ان کا نہیں بلکہ محمد ﷺ کا کام تھا۔ ہمارا کام تو صرف یہ ہے کہ ہم آپ کا پیغام دنیا کے کونوں تک پہنچائیں۔ ورنہ اگر ہم دنیا کے ایک ایک آدمی کو مسلمان بنالیں اور دنیا کے ایک ایک آدمی کے گند کو نکال کر اُسے تقویٰ اور طہارت سے لبریز کر دیں اور دنیا کی تمام حکومتوں کا نقشہ بدل کر اسلامی حکومتیں قائم کر دیں اور انصاف اور عدل قائم کر کے تمدنی معاملات میں اِس قدر تغیر پیدا کر دیں کہ تمام دنیا کے لوگ ایک دوسرے کو بھائی بھائی سمجھنے لگیں۔ اسی طرح ہم تجارت، زراعت اور صنعت وحرفت میں ایسی اصلاح کر دیں کہ تمام انسانوں میں مساوات قائم ہو جائے اور سب ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھنے لگیں۔

غرض ہم سب کچھ کر دیں اور ہمارے علاقوں کی وُسعت ہزاروں گُنے زیادہ ہو جائے اور ہمارے ماتحت افراد کی تعداد لاکھوں گُنے بڑھ جائے پھر بھی ہمارا کام رسول کریم ﷺ کے کام کے ایک ذرّہ کے برابر بھی نہیں ہوسکتا۔ پس ہمارا جس قدر کام ہے یہ ہمارا نہیں بلکہ رسول کریم ﷺ کا ہے اور ہماری تمام کوششیں اپنا نام پھیلانے کیلئے نہیں بلکہ رسول کریم ﷺ کا نام پھیلانے اور آپ کی عزت کو دنیا میں قائم کرنے کیلئے ہیں۔ آخر جب ہم امریکہ کے لوگوں سے یہ کہتے ہیں وہ اسلام میں داخل ہو جائیں تو ہم ان سے کیا کہلواتے ہیں؟ وہی کلمۂ شہادت یعنی لَآاِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہُ مُـحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ۔ اسی طرح افریقہ کے لوگوں کو جب ہم مسلمان بناتے ہیں، جب ہم سماٹرا، جاوا، چین اور جاپان میں اسلام کی اشاعت کرتے ہیں تو ان لوگوں سے کیا کہلواتے ہیں؟ یہی کہ لَآاِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ پھر کیا یہ رسول کریم ﷺ کی عزت قائم ہوری ہے یا ہماری عزت قائم ہو رہی ہے؟ ہماری اور محمد ﷺ کی مثال تو ایسی ہی ہے جیسے ہمالیہ پہاڑ اور سائبان۔ سائبان ایک لگتا ہے اور کچھ مدت کے بعد اُٹھ جاتا ہے۔ ایک پھٹتا ہے تو اس کی جگہ دوسرا آجاتا ہے لیکن ہمالیہ پہاڑ برابر اپنی جگہ پر کھڑا ہے اور اسے کوئی شخص ہلا نہیں سکتا۔ اسی طرح خلفاء آتے اور چلے جاتے ہیں۔ ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا اور تیسرے کے بعد چوتھا خلیفہ دنیا میں آتا اور اپنا اپنا فرض سرانجام دے کر چلا جاتا ہے مگر

رسول کریم ﷺ ہمالیہ کی طرح اپنے مقام پر کھڑے ہیں اور ایک لمحہ بھی آپؐ پر ایسا نہیں آتا جب آپ دنیا کو اپنے فیوض نہ پہنچا رہے ہوں۔

پس جس احمدی نے بھی یہ بات کہی ہے اِنہی معنوں میں کہی ہوگی کہ اِس زمانہ میں جو لوگ ہیں ان کے لحاظ سے ہم اپنے خلیفہ کو بعد از خدا سمجھتے ہیں اور میں نے جیسا کہ بتایا ہے کہ اگر اس نے اِن معنوں میں اِن الفاظ کو استعمال کیا ہے تو یقیناً اُس نے سچ کہا ہے۔ اس میں کیا شبہ ہے اور جیسا کہ سب لوگ جانتے ہیں، مَیں نے بھی بارہا بتایا ہے کہ جماعت احمدیہ کے خلیفہ کی حیثیت دنیا کے تمام بادشاہوں اور شہنشاہوں سے زیادہ ہے۔ وہ دنیا میں خدا اور رسول کریم ﷺ کا نمائندہ ہے اور چونکہ دین، دنیا پر مقدم ہے اس لئے گو ہم دُنیوی معاملات میں حکام کی اطاعت کریں گے، لیکن اگر دین کا معاملہ آئے گا تو پھر ان بادشاہوں کو ہماری اطاعت اور فرمانبرداری کرنی پڑے گی۔ آج اگر دنیا کا ایک بڑے سے بڑا بادشاہ بھی مذہب کی تحقیق کرتا ہے اور تحقیق کے بعد اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ اسلام ہی تمام مذاہب پر فضیلت رکھتا ہے تو جب وہ اس نکتہ پر پہنچے گا اُس کیلئے سوائے اس کے اور کیا چارہ ہوگا کہ وہ اسلام کے خلیفہ کے پاس آئے اور اُس کی بیعت کرے اور جب وہ خلیفۂ وقت کی بیعت کرے گا تو لازماً وہ خلیفہ کے ماتحت ہوگا اُس سے بڑا نہیں ہوگا۔

پس دنیا کے بادشاہوں کو جو بڑائی حاصل ہے وہ اُسی وقت تک ہے جب تک احمدیت اور اسلام کی صداقت اُن پر روشن نہیں ہوتی۔ جس دن اُن پر اسلام اور احمدیت کی صداقت روشن ہوگئی اُسی دن وہی فقرے جو آج غرباء کے منہ سے سُن کر وہ ہنستے ہیں وہ خود کہنے لگ جائیں گے اور کہیں گے کہ آپ ہی ہمارے حاکم اور آپ ہی ہمارے سرتاج ہیں۔ کیا یہ ہوسکتا ہے کہ ایک بادشاہ احمدی ہو اور وہ میرے ہاتھ پر بیعت کرے اور پھر وہ یہ کہے کہ میں تمہارا حاکم اور میں تمہارا بادشاہ ہوں۔ لازماً وہ یہی کہے گا کہ دینی میدان میں مَیں ہی غلام ہوں، میں ہی شاگرد اور میں ہی ماتحت ہو۔

عیسائیوں میں اس کی مثال موجود ہے چاہے وہ کیسی ہی غلط مثال ہو اور کتنے ہی غلط طریق پر ہو اور وہ یہ ہے کہ جو بادشاہ پوپ کو مانتے ہیں وہ پوپ کو اپنا سردار اور حاکم سمجھتے ہیں اور اُن کا عقیدہ یہ ہے کہ ہماری بادشاہتیں ہمیں پوپ سے ملی ہیں۔ زمانۂ وسطیٰ میں تو یہ قاعدہ تھا کہ جب بادشاہ تخت پر بیٹھتا تو وہ پوپ کے پاس اپنی بادشاہت کی منظوری کیلئے چٹھی بھیجتا اور جب وہ اسے بادشاہ تسلیم کرتا تب وہ اپنے

آپ کو بادشاہ سمجھتا۔ عیسائی اپنا مذہبی پیشوا پوپ کو سمجھتے ہیں۔ لیکن جماعت احمدیہ کے نزدیک خلیفۂ وقت اُس کا مذہبی پیشوا ہے۔ پس جو بادشاہ بھی احمدی ہوگا وہ اپنے آپ کو خلیفۂ وقت کا ماتحت اور اُس کا نائب سمجھے گا اور گو دُنیوی معاملات میں اُس کے احکام نافذ ہوں گے مگر دینی معاملات میں حکومت احمدی خلیفہ کی ہی ہوگی۔ اِس لحاظ سے اگر اپنے موجودہ زمانہ کے لوگوں سے مقابلہ کرتے ہوئے کوئی شخص خلیفۂ وقت کو ''بعد از خدا بزرگ تُوئی'' کہہ دے تو کہہ سکتا ہے اور اس پر کسی قسم کا اعتراض نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ ایک ایسا عقلی مسئلہ ہے کہ اِس کا کوئی شخص انکار ہی نہیں کرسکتا۔

میں پوچھتا ہوں کہ اگر احمدیوں کے سِوا کسی دوسرے مسلمان کے منہ سے کسی اپنے بزرگ کے متعلق یہ لفظ نکلیں کہ ہم تو خدا تعالیٰ کے بعد آپ ہی کو سمجھتے ہیں تو کیا اس کے یہ معنے لئے جائیں گے کہ وہ اُس بزرگ کا درجہ رسول کریم ﷺ سے بھی بڑا سمجھتا ہے۔ ہر شخص جو معمولی عقل بھی رکھتا ہو سمجھ سکتا ہے کہ اس قسم کے فقرہ کے یہ معنی نہیں ہوں گے کہ اس بزرگ کا درجہ رسول کریم ﷺ سے بھی بڑا ہے بلکہ اس کے معنے یہ ہوں گے کہ اپنے زمانہ میں وہ تمام دنیا پر فضیلت رکھتا ہے۔ اور ''احسان'' بھی کبھی اس پر اعتراض نہ کرے گا۔ یہ اعتراض اس کے صرف جماعت احمدیہ کیلئے وقف ہیں۔

پھر یہ لوگ تعلیمِ قرآن سے ایسے بے بہرہ ہوچکے ہیں کہ باوجود اس کے کہ قرآن کریم میں ایسی مثالیں موجود ہیں اور وہ انہیں پڑھتے ہیں پھر بھی اس اسلوبِ بیان کو نہیں سمجھ سکتے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ حضرت مریم علیہا السلام کے متعلق فرماتا ہے وَاصْطَفٰـکِ عَلٰی نِسَاءِ الْعٰلَمِیْنَ[۴] کہ ساری دنیا کی عورتوں سے حضرت مریم علیہا السلام افضل ہیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ ''احسان'' کے ایڈیٹر کا اس بارہ میں کیا عقیدہ ہے مگر میں تو ایک منٹ کیلئے بھی اس امر کو تسلیم نہیں کرسکتا کہ حضرت مریم ہماری ماں عائشہ صدیقہؓ سے بڑی ہوں یا ہماری ماں خدیجہؓ سے درجہ میں بلند ہوں۔ پھر خود رسول کریم ﷺ نے ایک حدیث میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے متعلق فرمایا کہ فَاطِمَۃُ سَیِّدَۃُ نِسَاءِ الْجَنَّۃِ[۵] یعنی وہ جنت کی عورتوں کی سردار ہوں گی۔ اب بتاؤ اس جنت میں حضرت مریم علیہا السلام ہوں گی یا نہیں ہوں گی؟ اگر حضرت مریم علیہا السلام نے بھی جنت میں ہی جانا ہے اور وہ جہان کی تمام عورتوں پر فضیلت رکھتی ہیں تو حضرت فاطمہ سَیِّدَۃُ نِسَاءِ الْجَنَّۃِ کس طرح ہوسکتی ہیں۔ پس بہرحال اس آیت کے کوئی معنے کرنے پڑیں گے اور وہ معنے یہی ہیں کہ حضرت مریم علیہا السلام صرف اپنے زمانہ کی تمام عورتوں سے درجہ میں بلند تھیں۔ پھر اگر

وہاں یہ معنے کرنے جائز ہیں تو شرافت اور انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ اس احمدی کے فقرہ کے بھی یہی معنے کئے جائیں کہ اِس زمانہ میں جس قدر لوگ ہیں ان سب سے جماعت احمدیہ کا خلیفہ بڑا ہے اور اگر یہی معنے کئے جائیں تو اس سے ہمیں انکار نہیں بلکہ یقیناً ہم اس کے دعویدار ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ اَنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ [6] کہ میں نے تمہیں تمام جہانوں پر فضیلت دی ہے۔ اب بتاؤ کیا اس کے یہ معنے ہیں کہ بنی اسرائیل رسول کریم ﷺ کی اُمت سے بھی بڑے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو امت محمدیہ کے متعلق قرآن کریم میں یہ فرماتا ہے کہ کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ [7] کہ تم دنیا کی ساری قوموں میں سے زیادہ بلند درجہ رکھنے والی قوم ہو اور تم خالص دنیا کے فائدہ اور نفع رسانی کیلئے پیدا کی گئی ہو۔ اب ایک طرف اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو یہ فرماتا ہے کہ تم دنیا کی تمام قوموں سے اعلیٰ ہو اور دوسری طرف بنی اسرائیل کے متعلق فرماتا ہے کہ میں نے انہیں تمام جہانوں پر فضیلت دی۔ حالانکہ تمام جہان پر فضیلت ایک کو ہی حاصل ہوسکتی ہے دونوں کو حاصل نہیں ہوسکتی۔ پھر ان آیتوں کے تطابق کی کیا صورت ہے اور اَنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ کے کیا معنے ہوں گے۔ کیا یہ ہوں گے کہ بنی اسرائیل کو مسلمانوں پر فضیلت حاصل ہے یا یہ کہ بنی اسرائیل کو اپنے زمانہ کے لوگوں پر فضیلت حاصل تھی۔ مگر مسلمانوں کو ساری جماعتوں اور سارے زمانوں پر فضیلت حاصل ہے۔ اس کا مزید ثبوت رسول کریم ﷺ کا اپنا دعویٰ ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں اِنِّیْ مُفَاخِرٌ بِکُمْ وَمُکَاثِرٌ بِکُمْ [8] کہ قیامت کے دن میں اپنی اُمت کو ساتھ لے کر باقی تمام انبیاء کی اُمتوں پر فخر کروں گا اور اس کی کثرت پر ان کے مقابلہ میں ناز کروں گا۔ اب قیامت کے دن جہاں ساری اُمتیں اکٹھی ہوں گی جس قوم کو فخر حاصل ہوگا یقیناً وہی قوم دنیا کی ساری قوموں سے بڑی ہوگی تو خَیْرَ اُمَّۃٍ کی تشریح رسول کریم ﷺ نے خود کردی اور اللہ تعالیٰ نے بھی ایک دوسرے مقام پر اس کی تشریح کردی جیسا کہ وہ فرماتا ہے وَکَذٰلِکَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّۃً وَّسَطًا لِّتَکُوْنُوْا شُھَدَاءَ عَلَی النَّاسِ [9] اور اسی طرح ہم نے تم کو سب قوموں سے اعلیٰ بنایا ہے تا کہ تم باقی سب لوگوں پر شہید کے طور پر ہو۔ شہید کے معنے داروغہ کے ہوتے ہیں۔ اب خود ہی سوچ لو کہ کیا داروغہ بڑا ہوتا ہے یا مزدور بڑا ہوتا ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ مزدور نہیں بلکہ داروغہ بڑا ہوتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ دنیا کی ساری قوموں کے مقابلہ میں تم داروغہ کے طور پر ہو اور وہ تمہارے مقابلہ میں ایسی ہی ہیں جیسے مزدور ہوتا ہے۔ جب

مسلمانوں کو باقی اقوام پر یہ فضیلت حاصل ہے اور جبکہ قیامت کے دن جہاں اگلی پچھلی تمام قومیں اکٹھی ہوں گی، مسلمان شہید کے طور پر ہوں گے اور باقی قومیں مزدوروں کی طرح۔ تو پہلی قوموں کی بڑائی کا جن آیات میں ذکر آتا ہے ان کے معنے یہی ہوں گے کہ ان قوموں کو صرف اپنے زمانہ میں تمام دنیا پر فضیلت حاصل تھی۔

پھر ایک مقام پر اللہ تعالیٰ بہت سے انبیاء کا اکٹھا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے کُلًّا فَضَّلْنَا عَلَی الْعٰلَمِیْنَ وَمِنْ اٰبَاءِ ھِمْ وَ ذُرِّیّٰتِھِمْ وَ اِخْوَانِھِمْ وَاجْتَبَیْنٰھُمْ وَ ھَدَیْنٰھُمْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ[1] کہ ان میں سے ہر ایک کو ہم نے تمام جہانوں پر فضیلت دی۔ اسی طرح ان کے باپ دادوں کو فضیلت دی، ان کی ذریت کو فضیلت دی اور ان کے بھائیوں کو فضیلت دی۔ اب کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک سارے جہاں پر فضیلت رکھتا تھا۔ اگر باپ فضیلت رکھتے تھے تو بھائیوں کو کس طرح فضیلت حاصل ہوگئی۔ اور اگر بھائی افضل تھے تو ذریت افضل کس طرح بن گئی۔ یہ تو کہا جاسکتا ہے کہ تین دو سے بڑا ہے لیکن یہ کس طرح کہا جاسکتا ہے کہ دو تین سے بڑا ہے۔ اگر تین دو سے بڑا ہے تو دو تین سے بڑا نہیں ہوسکتا۔ اور اگر دو تین سے بڑا ہے تو تین دو سے بڑا نہیں ہوسکتا۔ دراصل وہاں بھی اس آیت کے یہی معنے ہیں کہ ہر نبی کی جماعت کو اپنے اپنے زمانہ میں دوسرے لوگوں پر فضیلت حاصل تھی۔ حضرت ابراہیمؑ کی قوم کو اپنے زمانہ میں دوسرے لوگوں پر فضیلت حاصل تھی اور اسحٰقؑ کی قوم کو اپنے زمانہ میں دوسرے لوگوں پر فضیلت حاصل تھی اور یعقوبؑ کی قوم کو اپنے زمانہ میں دوسرے لوگوں پر فضیلت حاصل تھی۔ اسی طرح داؤدؑ اور سلیمانؑ اور ایوبؑ اور یوسفؑ اور موسیٰؑ اور ہارونؑ اور زکریاؑ اور یحییٰؑ اور عیسیٰؑ اور الیاسؑ اور اسماعیلؑ اور الیسعؑ وغیرہ کی قوموں کو اپنے اپنے زمانہ میں دوسرے لوگوں پر فضیلت حاصل تھی۔ اور پھر ان کی وجہ سے ان کے اُن باپ دادوں اور اولادوں کو بھی فضیلت حاصل ہوگئی جو انبیاء کو ماننے والی تھیں۔ تو قرآن کریم کی متعدد آیات سے یہ ثابت ہے کہ جب کسی کے متعلق یہ کہا جائے کہ وہ تمام جہان سے افضل ہے تو اس کے معنے صرف یہ ہوتے ہیں کہ وہ اپنے زمانہ کے لوگوں پر فضیلت رکھتا ہے۔

اب یہ کتنی ظالمانہ یا کتنی جاہلانہ بات ہے جو ہماری طرف منسوب کی گئی ہے۔ اگر ''احسان'' نے دیدہ دانستہ یہ عقیدہ ہماری طرف منسوب کیا ہے تو اس نے ایک ظالمانہ فعل کیا اور اگر ہمارے عقائد سے واقفیت حاصل کئے بغیر اس نے ایسا نوٹ لکھا تو اس نے ایک جاہلانہ فعل کا ارتکاب کیا۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے لَا تَقْفُ مَالَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا [11] کہ جس چیز کا تمہیں علم نہ ہو اس میں دخل نہ دیا کرو۔ جو شخص قرآن کریم کو جانتا ہی نہیں اور جس نے رسول کریم ﷺ کے کلام پر کبھی غور ہی نہیں کیا، وہ اگر بغیر سوچے سمجھے اعتراض کر دیتا ہے تو اس کا اعتراض معاف بھی کیا جا سکتا ہے۔ مگر جو قرآن کریم پر ایمان لانے کا دعویٰ کرتے ہوئے اس کی باتوں کو پس پشت ڈال دیتا ہے وہ معذور نہیں قرار دیا جا سکتا۔

پھر میں کہتا ہوں کہ اگر ان لوگوں نے قرآن پر کبھی غور نہیں کیا تھا یا اگر ان لوگوں نے رسول کریم ﷺ کے کلام پر کبھی غور نہیں کیا تھا تو کم از کم انہیں انسانوں کے کلام پر ہی غور کرنا چاہئے تھا اور دیکھنا چاہئے تھا کہ کیا روزمرہ کی گفتگو میں اس قسم کے الفاظ استعمال نہیں کئے جا سکتے۔ تم چلے جاؤ لاہور میں اور لوگوں سے دریافت کرو کہ سب سے بڑا پہلوان کون سا ہے۔ وہ کہیں گے سب سے بڑا پہلوان گاما ہے۔ اب کیا جب کوئی شخص یہ کہے کہ سب سے بڑا پہلوان گاما ہے تو اس سے یہ بحث شروع کر دینی چاہئے کہ سب سے بڑا پہلوان تو رُستم تھا، تم گاما کو سب سے بڑا پہلوان کیوں قرار دیتے ہو۔ یا سب سے بڑا پہلوان تو غلام تھا، تم گاما کو کیوں بڑا کہتے ہو۔ اگر کوئی شخص ایسی بحث کرے تو ساری دنیا اسے احمق قرار دے گی اور کہے گی کہ یہاں رُستم اور گاما کا مقابلہ کون سا ہو رہا ہے یہاں تو یہ ذکر ہے کہ موجودہ زمانہ میں سب سے بڑا پہلوان کون سا ہے۔ غرض تم ساری دنیا کا چکر لگاؤ، ساری دنیا کا نہ سہی تم ہندوستان کا ہی چکر لگا کر دیکھ لو تمہیں گلیوں میں اور بازاروں میں، مدرسوں اور خانقاہوں میں، چھوٹوں اور بڑوں میں غرض ہر جگہ اور ہر شہر میں اس قسم کے فقرات بولتے ہوئے لوگ نظر آئیں گے۔ وہ کہیں گے فلاں شخص سب سے بڑا ہے اور سب سے بڑا ہونے سے مراد وہ کبھی یہ نہیں لیں گے کہ وہ پہلوں اور پچھلوں سب سے بڑا ہے بلکہ سب سے بڑا ہونے سے یہ مراد لیں گے کہ وہ موجودہ زمانہ میں سب سے بڑا ہے یا ایک خاص دائرہ میں سب سے بڑا ہے۔ تم چلے جاؤ عدالتوں میں تمہیں روزانہ اس قسم کے نظارے دکھائی دیں گے کہ مجسٹریٹ کے سامنے مقدمہ پیش ہو رہا ہے اور ایک غریب شخص جس کا مقدمہ عدالت کے سامنے ہے وہ مجسٹریٹ کو مخاطب ہوتے ہوئے کہہ رہا ہے ''خدا دے ہیٹاں ساڈے تُسیں ہی ہو'' یعنی خدا کے نیچے اب آپ ہی ہمارا کام کرنے والے ہیں۔ روزانہ زمیندار اور پیشہ ور اس قسم کے فقرات استعمال کرتے ہیں مگر کبھی انہیں کوئی شخص یہ نہیں کہتا کہ تم دہریہ ہو گئے یا رسول اللہ ﷺ کی

رسالت کا تم نے انکار کر دیا۔

پس میں حیران ہوں کہ ادیب کہلانے والے ان محاوروں کو بھی کیوں نہیں سمجھتے جو جاہل سے جاہل زمیندار روزانہ بولتا ہے اور کوئی اس پر اعتراض نہیں کرتا۔ ''زمیندار'' جب یہ فقرہ استعمال کرتا ہے کہ ''خدا دے ہیٹاں ساڈے تسیں ہی ہو'' تو ''ہیٹاں'' سے مراد یہ نہیں ہوتی کہ اب خدا کے بعد اسی مجسٹریٹ کا درجہ ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ میرے اس مقدمہ کا یا خدا فیصلہ کر سکتا ہے یا آپ فیصلہ کر سکتے ہیں۔ وہاں نہ دین کا ذکر ہوتا ہے نہ رسول کریم ﷺ کے درجہ کا ذکر ہوتا ہے۔ صرف اتنی بات ہوتی ہے کہ میرے اس مقدمہ میں یا مجسٹریٹ نے فیصلہ کرنا ہے یا خدا نے۔ یا اگر گاؤں میں بیٹھ کر کوئی زمیندار اِسی قسم کا فقرہ نمبردار سے کہے تو اس کے معنے یہ ہوں گے کہ میرا فیصلہ اب خدا کے ہاتھ میں ہے اور اس سے نیچے اُتر کر نمبردار کے ہاتھ میں۔ لیکن اگر ان معنوں کو ملحوظ نہ رکھا جائے اور جب کوئی زمیندار کسی نمبردار کو کہے کہ ''خدا دے تو ہیٹاں ساڈے تسیں ہی ہو'' تو جھٹ پولیس کا کوئی آدمی اسے ہتھکڑی لگالے اور کہے کہ ہز میجسٹی شہنشاہِ معظم کی بادشاہت کا یہ انکار کر رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ خدا کے نیچے نہ کوئی بادشاہ ہے نہ حاکم، جو ہے یہ نمبردار ہی ہے۔ پس یہ ہائی ٹریژن (HIGH TREASON) کا مجرم ہے، اسے جیل بھیجنا چاہئے۔ تو کیا ساری دنیا اس سپاہی کو پاگل قرار نہیں دے گی؟ وہ کہے گی اسے جیل خانہ بھیجنے کی بجائے تمہیں پاگل خانہ بھیجنا چاہئے۔ کیونکہ تمہیں سوچنا چاہئے تھا کہ اِس فقرے کا محل کیا ہے اور اِس کا مطلب کیا ہے۔

پھر میں ان لوگوں کو کہتا ہوں کہ تم اپنے متعلق یہ دعویٰ کرتے ہو کہ ہمیں رسول کریم ﷺ سے محبت ہے مگر اس لفاظی کا کیا فائدہ۔ تم نے کبھی غور بھی کیا ہے کہ تمہاری اس محبت میں جو تم رسول کریم ﷺ سے رکھتے ہو اور ہماری اس محبت میں جو ہم رسول کریم ﷺ سے رکھتے ہیں کتنا عظیم الشان فرق ہے؟ اور کتنا بیّن امتیاز ان دونوں میں موجود ہے۔

میں ایک دفعہ قصور گیا وہاں ایک دوست کا ایک کارخانہ ہے۔ وہ مجھے اپنا کارخانہ دکھانے کیلئے لے گئے۔ اُس وقت تک وہ غیر مبائعین سے تعلق رکھتے تھے مگر اب وہ ہماری جماعت میں شامل ہو چکے ہیں۔ اسی اثناء میں قصور کا ایک ہندو نوجوان جو نہایت ہوشیار اور چلتا پُرزہ تھا، وہاں آ گیا اور مجھ سے کہنے لگا کہ میرا ایک سوال ہے آپ اس کا جواب دیں۔ میں نے کہا دریافت کیجئے۔ وہ کہنے لگا مجھے اس

بات کا شوق ہے کہ مختلف مذاہب کے جو بانی ہیں ان کے حالاتِ زندگی معلوم کروں ۔ اِس وجہ سے مختلف مذاہب کے واعظ جب ہمارے شہر میں آتے ہیں تو میں ان کے وعظوں اور تقریروں میں شامل ہوتا ہے ۔ جب کوئی بڑا مولوی آجاتا ہے اور لیکچر دیتا ہے تو میں اس کے لیکچر میں بھی شامل ہوجاتا ہوں اور جب کوئی عیسائی پادری آجاتا ہے تو اس کا وعظ سننے کیلئے بھی چلا جاتا ہوں اور جب کوئی ہندو پنڈت آتا ہے تو اس کی تقریر میں بھی چلا جاتا ہوں ۔ مسلمان واعظوں میں سے مجھے ان کی تقریر کا زیادہ شوق رہتا ہے جو آنحضرت ﷺ کے حالاتِ زندگی سنائیں کیونکہ یہ ایک تاریخی مضمون ہے ۔ اور ایک غیر مذہب والے کو مذہبی مضمون سے تاریخی مضمون سے زیادہ دلچسپی ہوسکتی ہے ۔ لیکن ایک بات میری سمجھ میں کبھی نہیں آئی اور وہ یہ کہ عیسائی پادری جب وعظ کیلئے کھڑا ہوتا ہے تو وہ یہ بیان کرتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے محبت کی تعلیم دی اور انہوں نے لوگوں کیلئے اپنی جان قربان کردی ۔ ایک ہندو پنڈت کھڑا ہوتا ہے تو وہ بھی حضرت کرشن جی کے فضائل بیان کرتا اور کہتا ہے کہ انہوں نے دنیا سے جھگڑا اور فساد دور کیا ۔ حضرت رام چندر کے متعلق کہتا ہے کہ انہوں نے لوگوں کو یہ یہ سُکھ پہنچایا ۔ ایک سکھ گیانی آتا ہے تو وہ بھی اپنے گرو کی خوبیاں لوگوں کے سامنے بیان کرتا ہے مگر جب کوئی مسلمان مولوی آتا ہے اور محمد ﷺ کے فضائل بیان کرنے لگتا ہے تو یہ کہنے لگ جاتا ہے کہ او کالی کملی والے او زلفاں والے ! او کالی کملی والے او زلفاں والے ! ۔ میں اس کی یہ بات سن کر شرم اور ندامت سے پسینہ پسینہ ہوگیا اور میں نے اُسے کہا یہ مسلمان رسول کریم ﷺ کے فضائل سے ناواقف ہیں ۔ اگر یہ لوگ قرآن کریم پڑھیں اور احادیث سے واقفیت رکھیں تو انہیں معلوم ہو کہ رسول کریم ﷺ کے اخلاق کو کس اعلیٰ رنگ میں بیان کیا گیا ہے ۔ مگر چونکہ انہوں نے رسول کریم ﷺ کے محاسن پر کبھی غور نہیں کیا اس لئے یہ بڑی سے بڑی خوبی اور بڑے سے بڑا کمال جو آپ کا بیان کریں گے وہ یہی ہوگا کہ ''او کالی کملی والے او زلفاں والے'' ۔ غرض یہ لوگ جو رسول کریم ﷺ کی تعریف کرتے ہیں اس میں ہر شخص شامل ہوسکتا ہے ۔ انہوں نے کالی کملی رسول کریم ﷺ کی فضیلت کا معیار سمجھی ، نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان فقیروں نے کالی کملی اوڑھ لی اور سمجھ لیا کہ رسول کریم ﷺ کے تمام کمالات انہیں حاصل ہوگئے ۔ پھر انہوں نے رسول کریم ﷺ میں ایک اور حُسن یہ دیکھا کہ آپ کی زُلفیں لمبی تھیں یہ دیکھ کر مسلمان فقیروں نے بھی اپنے بال بڑھالئے اور سمجھ لیا کہ رسول کریم ﷺ کی اتباع ہوگئی اور ہم آپ کے مثیل بن گئے ۔ مگر ایک احمدی جب رسول کریم ﷺ کے اخلاق کو پیش کرے گا تو وہ

آپ کے ان اخلاق کو پیش کرے گا جو ساری دنیا کی کملیوں والوں پر کیا، ساری دنیا کے نبیوں اور رسولوں پر آپ کی فضیلت ثابت کر دیتے ہیں اور کوئی نہیں ہوتا جو ان تعریفوں میں رسول کریم ﷺ کا مقابلہ کر سکے۔

پھر جب یہ لوگ رسول کریم ﷺ کے معجزات بیان کرتے ہیں تو ایسے ایسے معجزات بیان کرتے ہیں جنہیں سن کر بجائے متأثر ہونے کے لوگ ہنستے ہیں اور پھر جب ہندوؤں کے سامنے ان قصوں کو رکھا جاتا ہے تو وہ ان سے بھی بڑے بڑے قصے اپنے بزرگان کے متعلق سنا دیتے ہیں کیونکہ خالی قصوں پر اگر دین کا مدار ہو تو قصے بنانے کوئی مشکل کام نہیں۔

ہمارے ایک عزیز تھے جو احمدی نہیں تھے وہ ایک دفعہ قادیان آئے۔ میر محمد اسحٰق صاحب اُس وقت چھوٹی عمر کے تھے۔ چھوٹی عمر میں انسان دعویٰ زیادہ کر لیتا ہے اور بعض دفعہ جب اسے کوئی نئی دلیل ملتی ہے تو وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اس کے مقابلہ میں کوئی دشمن نہیں ٹھہر سکتا اور وہ اس بات سے ناواقف ہوتا ہے کہ نہ ماننے والے کئی راستے نکال لیتے ہیں۔ اُن دنوں ''حقیقۃ الوحی'' تازہ تازہ چھپی تھی اور چونکہ اس میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے بہت سے معجزات کا ذکر کیا ہے اس لئے میر محمد اسحٰق صاحب حقیقۃ الوحی لے کر ان کے پاس چلے گئے۔ اُس وقت میر صاحب کی عمر پندرہ سولہ سال کی تھی۔ انہوں نے خیال کیا کہ جونہی میں نے اس کے سامنے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معجزات بیان کئے وہ احمدیت کی صداقت فوراً تسلیم کریں گے۔ خیر وہ گئے اور تھوڑی دیر کے بعد واپس آ گئے اور مجھے آ کر کہنے لگے کہ میں نے ان کی خوب خبر لی ہے۔ وہ ہماری تمام باتیں مان گئے ہیں اور اب وہ بیعت کرنے کے بالکل قریب ہیں۔ میں نے کہا تھوڑی دیر کے بعد آپ پھر ان کے پاس جائیں گے تو پتہ لگ جائے گا۔ چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد جب وہ دوبارہ ان سے ملے اور مل کر واپس آئے تو کہنے لگے وہ تو عجیب آدمی ہیں۔ میری باتیں سن کر تو کہتے رہے کہ ٹھیک ہے بالکل ٹھیک ہے مگر جب آخر میں مَیں نے کہا کہ جب تمام باتیں درست ہیں تو آپ احمدیت کو قبول کر لیجئے تو وہ کہنے لگے میاں! یہ معمولی ولایت کے کمال ہیں ان سے کسی کو مأمور تھوڑا ہی مانا جا سکتا ہے اور یہ تو ادنیٰ باتیں ہیں۔ جو کامل ولی ہوں وہ تو اس سے بھی بڑے بڑے معجزات دکھا سکتے ہیں۔ پھر انہوں نے خود ایک قصہ سنایا۔ کہنے لگے تم نے سنا ہوگا کہ مکہ میں تربوز بہت اچھے ہوتے ہیں۔ اب قرآن میں لکھا ہے کہ وہ وادی غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ ہے[۱۲] جب

وہ ایسی وادی ہے جس میں کچھ بھی پیدا نہیں ہوسکتا تو پھر اعلیٰ قسم کے تربوز اتنی کثرت سے کہاں سے آجاتے ہیں۔ سو ہم تمہیں بتاتے ہیں کہ گدھوں والے مکہ سے طائف جاتے ہیں اور طائف سے بڑے بڑے کھنگھر اپنے بوروں میں بھر لیتے ہیں جب وہ واپس آتے اور مکہ میں پہنچتے ہیں تو تمام کھنگھر تربوز بنے ہوئے ہوتے ہیں۔ پھر کہنے لگے ہمارے ایک دادا تھے، وہ بڑے بزرگ اور اللہ تعالیٰ کے کامل ولی تھے۔ ایک دفعہ وہ بغداد سے جہاز پر سوار ہوئے۔ راستہ میں جہاز کہیں گھنٹہ بھر ٹھہرا تو وہ کہنے لگے میں فلاں بزرگ سے مل آؤں۔ لوگوں نے انہیں کہا کہ جہاز نے یہاں صرف ایک گھنٹہ ٹھہرنا ہے اور آندھی بھی آئی ہوئی ہے، آپ نہ جائیں۔ مگر وہ کہنے لگے نہیں میں ضرور جاؤں گا اور اگر میں ایک گھنٹہ تک نہ آؤں تو میرا انتظار نہ کیا جائے اور جہاز بے شک روانہ ہو جائے۔ چنانچہ ایک گھنٹہ تک جہاز کھڑا رہا مگر وہ نہ آئے اور جہاز چل پڑا۔ جس وقت جہاز بمبئی پہنچا تو لوگ کیا دیکھتے ہیں کہ وہی بزرگ ساحلِ بمبئی پر ٹہل رہے ہیں۔ لوگوں نے عرض کیا حضرت آپ کہاں؟ کہنے لگے مجھے جب معلوم ہؤا کہ جہاز چل پڑا ہے تو میں نے کھڑاواں پہنی اور بھاگ کر بمبئی آ گیا۔ پھر کہنے لگے وہ بزرگ ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ میں جمعہ کے دن فوت ہوں گا اور میرا جنازہ کشمیر کی شاہی مسجد میں پڑھا جائے گا اور وہیں مَیں دفن ہوں گا۔ چنانچہ ایک دن جب وہ جمعہ کی نماز پڑھ چکے تو لوگوں سے کہنے لگے بھائیو ذرا ٹھہر جانا میں اب فوت ہونے لگا ہوں، مجھے نہلا دھلا کر جانا۔ وہ کہنے لگے کہ آپ تو کہا کرتے تھے کہ میرا کشمیر میں جنازہ ہوگا اور وہیں میں دفن ہوں گا مگر آپ فوت یہیں ہونے لگے ہیں۔ انہوں نے فرمایا تم فکر نہ کرو وہ بھی ہو جائے گا۔ چنانچہ انہوں نے کلمہ پڑھا اور فوت ہوگئے۔ لوگوں نے اُنہیں نہلایا دھلایا اور پھر کفن پہنا کر چارپائی پر لِٹا دیا۔ بس جونہی انہوں نے نعش چارپائی پر رکھی وہ کیا دیکھتے ہیں کہ نعش غائب ہے۔ ادھر سرینگر کی جامع مسجد میں جب جمعہ ہو چکا تو امام صاحب نے لوگوں سے کہا بھائیو! ذرا ٹھہر جانا یہاں ایک بہت بڑے بزرگ کا جنازہ آنے والا ہے۔ لوگوں نے کہا یہاں تو کوئی بزرگ فوت نہیں ہؤا۔ امام صاحب کہنے لگے ابھی جنازہ پہنچ جاتا ہے۔ چنانچہ وہ مصلّے پر بیٹھ گئے اور انہوں نے تھوڑی دیر ہی تسبیح پھیری تھی کہ یکدم ایٹہ سے جو علی گڑھ کے قریب ہے، چارپائی پر جنازہ وہاں آ اُترا اور سب نے ان کا جنازہ پڑھ کر انہیں وہیں دفن کر دیا۔ یہ قصہ سنا کر وہ میر محمد اسحٰق صاحب سے کہنے لگے میاں معجزے تو یہ ہوتے ہیں۔ وہ بھی کیا معجزے ہیں جو مرزا صاحب نے دکھائے۔ گو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے معجزات اور ان صاحب کے مذکورہ

معجزات کی آپس میں کوئی نسبت نہیں کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے معجزات تاریخی حیثیت رکھتے ہیں اور وہ صرف اوہامِ باطل تھے۔ مگر جب تاریخی معجزات سے لوگ یہ سلوک کریں تو ان معجزات کا کیا حال ہوگا جو رسول کریم ﷺ کے اصلی معجزات کو چھوڑ کر لوگوں نے خود بطور کہانی کے بنا لئے ہیں۔

پھر اس قسم کے غیر تاریخی معجزات جب مسلمان مولوی ہندوؤں کے سامنے بیان کرتے ہیں تو وہ اس سے بھی بڑھ کر معجزے بیان کر دیتے ہیں۔ چنانچہ ہندو کہتے ہیں کہ ایک نیل کنٹھ [۱۳] کا بچہ تھا اسے پیدا ہوئے ابھی ایک گھنٹہ ہی گزرا تھا کہ وہ اپنی ماں سے کہنے گا اماں اماں! مجھے بھوک لگی ہے۔ ماں نے کہا کہ میرے پاس تو تمہارے لئے کچھ نہیں۔ وہ کہنے لگا اچھا تو اماں مجھے اجازت دے کہ میں باہر جا کر کچھ کھا پی آؤں۔ ماں کہنے لگی تمہیں باہر جانے کی تو میں اجازت دے دیتی ہوں مگر دیکھنا کسی برہمن کو نہ کھا جانا۔ لطیفہ یہ ہے کہ اسے پیدا ہوئے ابھی صرف ایک گھنٹہ گزرا ہے اور ماں کی ہدایت اسے یہ ہے کہ کسی برہمن کو نہ کھا جانا۔ خیر وہ کھانے کی تلاش میں باہر نکلا۔ آگے اُس نے کیا دیکھا کہ ایک بارات آ رہی ہے جس میں سینکڑوں ہاتھی، گھوڑے اور اونٹ ہیں اور ہزاروں آدمی اس بارات میں شامل ہیں۔ ان کے پاس کھانے کا بھی لاکھوں من سامان ہے۔ اس نے یہ دیکھتے ہی سڑک پر اپنی چونچ رکھ دی اور تمام اونٹ، گھوڑے، ہاتھی اور باراتی کھچے کھچے اُس کے پیٹ میں چلے گئے۔ غلطی سے ایک برہمن بھی وہ کھا گیا۔ مگر جب اسے معلوم ہوا کہ ایک برہمن بھی پیٹ میں چلا گیا ہے تو اس نے پیٹ مروڑ مراڑ کر برہمن کو اُگل دیا اور پھر وہ لاکھوں من کھانا بھی کھا گیا جو بارات کے ساتھ تھا۔ اس کے بعد اسے پیاس لگی تو وہ ایک دریا پر گیا اور اُس پر چونچ رکھ کر پانی پینا شروع کر دیا اور اتنا پانی پیا کہ آخر وہ دریا سارے کا سارا خشک ہو گیا۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ راجپوتانہ میں یہ دریا ہوا کرتا تھا مگر آجکل وہاں ریت ہی ریت ہے۔ اس کے بعد وہ آرام کرنے کیلئے ہمالیہ پہاڑ کی چوٹیوں پر چلا گیا اور سو گیا۔ چنانچہ آج تک وہ ہمالیہ پہاڑ کی چوٹی پر آرام کر رہا ہے۔

غرض مسلمانوں کے مولوی اِس قسم کی مضحکہ خیز باتیں رسول کریم ﷺ کی طرف منسوب کرتے اور ایسے معجزات آپ کے بیان کرتے ہیں کہ جن کے مقابلہ میں دشمن اس سے بھی بڑے بڑے معجزات پیش کر دیتا ہے اور وہ ان کا کوئی جواب نہیں دے سکتے۔ مگر ہم رسول کریم ﷺ کے وہ معجزات بیان کرتے ہیں کہ جنہیں سن کر دشمن کے منہ پر مُہر لگ جاتی ہے اور وہ بات تک نہیں کر سکتا۔ جب ہم دشمن کے سامنے

کھڑے ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ محمد ﷺ کا معجزہ یہ ہے کہ جو شخص ان کی غلامی اور اتباع کرتا ہے خدا تعالیٰ کا تازہ کلام اُس پر اُترتا ہے اور زمین و آسمان کا خدا اُس سے ہمکلام ہوتا ہے۔ تو کیا ہے کوئی ہندو جو کہے کہ میں اس سے بڑھ کر اپنے پیشوا کا معجزہ پیش کرسکتا ہوں۔ یا ہے کوئی عیسائی جو کہے کہ ان کے مسیح کی اِتباع سے یہ نعمت انسان کو حاصل ہوسکتی ہے، سب دم بخود ہو جاتے ہیں کیونکہ محمد ﷺ کی غلامی کے سوا یہ نعمت کسی مذہب میں رہ کر انسان کو نصیب نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح جب ہم قرآن کریم کے معجزات دنیا کے سامنے پیش کرتے اور کہتے ہیں کہ دنیا کی تمام پارلیمنٹیں اور دنیا کے تمام فلاسفر اور دنیا کے تمام مدبر اور عقلمند سب مل کر جو تعلیمیں تجویز کر رہے اور سینکڑوں سال غور کرنے کے بعد انہیں لوگوں کی کامیابی کا ذریعہ بتا رہے ہیں، وہ ہمارے اُمّی آقا اور سردار کی اس تعلیم کے مقابلہ میں جو اس نے آج سے تیرہ سَو سال پہلے پیش کی اگر رکھی جائیں تو خاک ہو کر رہ جاتی ہیں۔ تو کس طرح وہ عیسائی جو دوسروں پر بڑھ بڑھ کر اعتراض کر رہے ہوتے ہیں دبک کر بیٹھ جاتے ہیں اور انہیں تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ واقعہ میں قرآن کریم جس تعلیم کو پیش کرتا ہے وہی تعلیم اصلی اور اعلیٰ ہے۔

پھر کس طرح طلاق کے متعلق غیر تو الگ رہے مسلمان بھی بہانے بنانے لگ گئے تھے اور کہتے تھے کہ اس کی یہ تشریح ہے اور اس کی وہ تشریح ہے۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ والسلام نے دنیا کو آکر بتایا کہ طلاق بھی ایک ضروری چیز ہے اور جس عورت کو طلاق دی جائے وہ حسبِ منشاء دوسری جگہ شادی کرسکتی ہے۔ کیونکہ رسول کریم ﷺ نے یہ تعلیم دی اور آپ نے جو کچھ کہا وہ بالکل سچ ہے۔ لوگوں نے اس بات کو سُنا اور حقارت کی ہنسی ہنسے مگر کس طرح آج ایک زبردست بادشاہ نے جس کی حکومت پر سورج غروب نہیں ہوتا، اسی مسئلہ میں یورپ کے خیالات کی غلطی ثابت کرنے کیلئے اپنی بادشاہت چھوڑ دی۔ پادریوں نے بھی زور دیا کہ وہ بادشاہت نہ چھوڑے، مدبروں نے بھی زور لگایا کہ وہ اپنے ارادہ سے باز رہے، وزراء نے بھی کوشش کی کہ وہ اس اقدام کو ترک کر دے، پارلیمنٹ کے ممبروں نے بھی چاہا کہ وہ اپنے ارادہ کو عملی جامہ نہ پہنائے، ملک نے بھی خواہش کی کہ وہ تاج و تخت کو نہ ٹھکرائے مگر اس نے صاف کہہ دیا کہ جو ملک یہ کہتا ہے کہ طلاق والی عورت الزام کے نیچے ہے اور اس سے دوبارہ شادی کرنا پسندیدہ نہیں میں اس کی اس بات کو برداشت نہیں کرسکتا۔ میں بادشاہت چھوڑنی آسان سمجھتا ہوں مگر اس خیال کو ترک کرنا میرے لئے مشکل ہے کہ مطلقہ عورت کسی الزام کے نیچے نہیں ہوتی اور اس سے شادی کی

جاسکتی ہے۔

غرض قرآن کریم کے ایک ایک حرف اور ایک ایک حرکت اور ایک ایک نقطہ کے نیچے سے ہم نے معارف کے خزانے نکالے اور انہیں دنیا کے سامنے پیش کیا اور محمد ﷺ کی عزت عالَم میں قائم کی ۔ یہاں تک کہ اسلام کا شدید سے شدید دشمن بھی آج یہ تسلیم کرنے لگ گیا ہے کہ روحانی میدان میں محمد ﷺ جیسا پہلوان اور کوئی نہیں ہوا۔ پس وہ جنہوں نے رسول کریم ﷺ کی حقیقی شان دنیا میں قائم کی، وہ جنہوں نے اسلام کی سچی خدمت کی، وہ جنہوں نے اسلام کی تعلیم پر عمل کر کے دنیا کو دکھا دیا اور ثابت کر دیا کہ اسلام کی تمام تعلیمیں قابلِ عمل ہیں اور انہی پر عمل کرنے میں ہر برکت اور سعادت ہے ان کے متعلق یہ کہنا کہ وہ اپنے خلیفہ کو رسول کریم ﷺ سے بڑا سمجھتے ہیں اس سے زیادہ جھوٹ اور اس سے زیادہ غلط بات اور کیا ہوسکتی ہے۔ میں ایسے اخبار نویسوں کو کہتا ہوں کہ مذہبی اختلاف کو جانے دو تم کم از کم انسانیت اور شرافت کا پاس رکھو اور اسے اپنے ہاتھ سے نہ دو۔ ہمارے تمہارے اختلاف بھی ہیں، لڑائیاں بھی ہیں، جھگڑے بھی ہیں مگر ان لڑائیوں اور جھگڑوں میں جھوٹ بولنے سے کیا فائدہ اور کسی کی طرف وہ عقائد منسوب کرنے سے کیا حاصل جن کو وہ مانتا ہی نہیں۔

پھر میں کہتا ہوں کہ اگر وہ سچے دل سے یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے دلوں میں رسول کریم ﷺ کی ہم سے زیادہ عزت ہے تو میں انہیں چیلنج کرتا ہوں کہ وہ اپنے علماء کو تیار کریں اور تراضیٔ فریقین سے ایک تاریخ مقرر کر کے وہ بھی رسول کریم ﷺ کی عظمت پر مضامین لکھیں اور ایک مضمون رسول کریم ﷺ کی عظمت پر میں بھی لکھوں گا پھر دنیا خود بخود دیکھ لے گی کہ ان کے دس بیس لکھے ہوئے مضامین میرے ایک مضمون کے مقابلہ میں حقیقت رکھتے ہیں اور رسول کریم ﷺ کے فضائل اور آپ کے محاسن مَیں بیان کرتا ہوں یا وہ مولوی بیان کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں نے رسول کریم ﷺ کی عظمت پر کبھی غور ہی نہیں کیا۔ ان کا بے شک رسول کریم ﷺ پر ایمان ہے مگر ان کا ایمان ایمان العجائز سے بڑھ کر نہیں۔ یعنی انہوں نے اپنے باپ دادوں سے جیسا سُنا ویسا مان لیا۔ یا چونکہ وہ مسلمانوں کے گھروں میں پیدا ہوئے تھے اس لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ماننے لگ گئے ورنہ انہوں نے نہ کبھی قرآن پر غور کیا ہے اور نہ رسول کریم ﷺ کے کلام پر کبھی غور کیا ہے۔ اگر ان لوگوں نے قرآن مجید کو غور سے پڑھا ہوتا تو حضرت مریم علیہا السلام کے متعلق وَاصۡطَفٰکِ عَلٰی نِسَآءِ الۡعٰلَمِیۡنَ اور اسی طرح بنی اسرائیل کے

متعلق اَنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ کے الفاظ پڑھ کر کیوں اس حقیقت کو نہ پہنچ جاتے کہ جب کسی کے متعلق یہ کہا جاتا کہ بعد از خدا اُس کا درجہ ہے تو اِس کا مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ اپنے زمانہ کے لوگوں پر وہ فضیلت رکھتا ہے، نہ یہ کہ وہ رسول کریم ﷺ سے بھی درجہ میں بڑا ہے۔ اس کے مقابلہ میں ہم وہ ہیں جو رسول کریم ﷺ کے ایک ادنیٰ سے ادنیٰ ارشاد پر اپنی جانیں قربان کرنے کیلئے تیار ہیں۔ اور یا تو آج سے تیرہ سَو سال پہلے صحابہؓ نے یہ کہا تھا کہ یَارَسُوْلَ اللّٰہ! آپ ہمیں حکم دیجئے، ہم سمندر میں اپنے گھوڑے ڈالنے کیلئے تیار ہیں[14] اور ہم آپ کے دائیں بھی لڑیں گے اور بائیں بھی لڑیں گے اور آگے بھی لڑیں گے اور پیچھے بھی لڑیں گے اور دشمن آپ تک نہیں پہنچ سکتا جب تک وہ ہماری لاشوں کو روندتا ہوا نہ گزرے[15] اور یا یہی فقرے آج ہمارے ہیں۔ آج ہم ہی ہیں جو رسول کریم ﷺ کا جھنڈا دنیا کے کونے کونے میں گاڑ رہے ہیں، آج ہم ہی ہیں جو دین کی اشاعت کر رہے ہیں، آج ہم ہی ہیں جو قرآن کریم کی خدمت کر رہے ہیں اور آج ہم ہی ہیں جو اسلام کے فضائل اور محاسن دنیا پر ظاہر کر رہے ہیں۔ مگر یہ غافل اور سوئے ہوئے افیونی کروٹ بدلتے ہیں اور آنکھیں کھولے بغیر کہنے لگ جاتے ہیں کہ احمدیوں نے رسول کریم ﷺ کی ہتک کر دی۔ حالانکہ یہ قرآن کریم اور اس کی تعلیم سے غافل ہو کر لحافوں میں لپٹے ہوئے پڑے ہیں اور ہم پر ایسی حالت میں اعتراض کر رہے ہیں جب کہ ہمارے سینے دشمنانِ اسلام کے مقابل پر تنے ہوئے ہیں اور جب کہ محمد ﷺ کی حفاظت کیلئے ہم ان کے اعداء کے نیزوں کو اپنے جسموں پر روک رہے ہیں۔

(الفضل ۲۷ ؍اگست ۱۹۳۷ء)

---

1. **مدنیت:** شہریت۔ شہری پن
2. درِّثمین فارسی صفحہ ۱۱۲۔ شائع کردہ نظارت اشاعت ربوہ
3. اٰل عمران: ۳۲　　4. اٰل عمران: ۴۳
5. ترمذی کتاب المناقب باب ما جاء فی فضل فاطمۃ میں یہ الفاظ ہیں ”اَخْبَرَنِیْ اَنِّیْ سَیِّدَۃُ نِسَاءِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ
6. البقرۃ: ۴۸　　7. اٰل عمران: ۱۱۱

۸ ابو داؤد کتاب النکاح باب النھی عن تزویج من لم یلد من النساء (مفہومًا)

۹ البقرۃ: ۱۴۴ ۱۰ الانعام: ۸۷۔۸۸ ۱۱ بنی اسرائیل: ۳۷

۱۲ ابراھیم: ۳۸

۱۳ نیل کنٹھ: ایک پرندہ جس کی گردن اور پَر نیلے ہوتے ہیں۔

۱۴ سیرت ابن ہشام جلد۲ صفحہ ۲۶۷ مطبوعہ مصر ۱۹۳۶ء

۱۵ بخاری کتاب المغازی باب قصۃ غزوۃ بدرٍ